معاصر اردو ناول اور ناول نگار-3

عصری آگہی رکھنے والے ایک اہم ناول نگار مشرف عالم ذوقی ہے۔ ان کا پہلا ناول عقاب کی آنکھیں کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس ناول میں ذوقی نے انسانی فطرت کے فلسفے کو قاری کے سامنے پیش کیا کہ ہر مرد اور عورت کے اندر جنسی جذبات فطری طور پر موجود ہوتے ہیں۔ یہ ایک قدرتی فعل ہے جس سے ایک اگر انسان اگر لاکھ فرار حاصل کرنا چاہیے لیکن نہیں کر سکتا ہے۔ اس کے حصول کے لیے ہر ایک مذہب میں الگ الگ اصول و قوانین وضع کیے گئے ہیں۔ ایک انسان اپنے آپ کو کتنا ہی ماڈرن اور ترقی یافتہ کیوں نہ تصور کرے مذہبی قوانین سے کسی بھی صورت بغاوت نہیں کر سکتا۔

اس ناول کے بعد ذوقی کے یکے بعد دیگرے دس گیارہ ناول منظر عام پر آئے جن میں پو کے مان کی دنیا ،پروفیسر ایس کی عجیب داستان، آتش رفتہ کا سراغ، نالۂ شب گیر ، لے سانس بھی آہستہ وغیرہ ان کی تازہ اور قابلِ مطالعہ تخلیقات ہیں۔ ذوقی کے موضوعات عصرِ حاضر کے تغیر پزیر حالات سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ ملک کے سیاسی، سماجی، معاشی اور اقتصادی و تہذیبی عناصر میں قدرے تیزی سے بدلاؤ، سائنس و ٹیکنالوجی کے زیر اثر ہونے والی نئی نئی ایجادات، تجربات و مشاہدات اور ہمارے سماج پر ان کے مرتب ہونے والے اثرات پر ان کی گہری نگاہ رہتی ہے۔ ان ہی کا نچوڑ وہ اپنے ناولوں میں پیش کرتے ہیں۔ پو کے مان کی دنیا اس تناظر میں ذوقی کا ایک اہم ناول ہے جس میں انہوں نے موجودہ دور کی زندگی اور بدلتے تہذیب کی تصویر کشی کی ہے۔ پو کے مان کا تعارف کر کے ذوقی قارئین کی توجہ اس امر کی جانب مبذول کرتے ہیں کہ سائنسی ترقی اور گلوبلائزیشن کے پھیلاؤ سے کس طرح ایک چھوٹے اور مخصوص خطے کے افکار و خیالات اور جذبات واحساسات وغیرہ پوری کائنات کو کم و قلیل مدت میں اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔ اس کے لیے انہوں نے ایک جاپانی کمپنی کے بنائے ہوئے ایک سیریل کے مرکزی کردار ’ پو کے مان ‘ کا احاطہ کیا ہے۔ یہ کردار نہ صرف ملکِ جاپان بلکہ کم و بیش دنیا کے ہر ایک حصے میں اس قدر مقبول ہو جاتا ہے کہ بچے اس فرضی کردار کے پوسٹر، ٹیٹو اور کارڈ جمع کرنے کے لیے جنون کی حد سے بھی گزر جاتے ہیں۔ اس ناول میں ذوقی نے عہدِ حاضر کی تکنیکی ایجادات اور بچوں کی نفسیات میں آنے والی تبدیلیوں کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ پورا ناول 12 سال کے ایک معصوم بچے (روی کنچن) کے گرد گھومتا ہے۔ روی کنچن باقی چھوٹے بچوں کی طرح معصوم ہے جس کا دنیاوی مسائل و

معاملات سے کسی بھی طرح کا کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ روی کنچن ٹی وی سیریل پوکے مان دیکھ دیکھ کر پوکے مان کے کارڑ، ٹیٹو اور پوسٹرت جمع کرنے کا شوقین ہو جاتا ہے۔ بلیو فلم کا سی ڈی جسے بچوں کی دسترس سے دور رکھنا چاہیے تھا وہ اسے بہ آسانی دستیاب ہو جاتا ہے۔ اس طرح وہ اچھائی اور برائی کے مابین بلا کسی تمیز کے غلط کام کر بیٹھتا ہے۔ اس ناول سے متعلق ڈاکٹر مشتاق احمد اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ”پوکے مان اردو ناول کی دنیا کے لیے ٹرننگ پوئنٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک وقت میں جہاں اردو ناول اقدار کی شکست و ریخت اور تہذیب کا مرثیہ لکھنے سے آگے نہیں بڑھ پا رہے ہیں، ذوقی نے پوکے مان کی دنیا لکھ کر ایک ایسے موضوع کو سامنے رکھا جہاں سائنس اور ٹیکنالوجی کی ریس میں ایک پوری دنیا کا چہرہ تبدیل ہو چکا ہے۔ جہاں بچے اپنے وقت سے بہت آگے نکل چکے ہیں۔ جہاں خطرناک کھلونوں کا کھیل تھا اور بچوں کی تربیت کے پرانے راستے بند ہو چکے تھے۔“

جیسی تیزی ذوقی کے مزاج اور فن میں ہے، ویسی ہی ان کی زبان اور بیان میں بھی ہے۔ عام بول چال کی زبان کو انہوں نے بڑے سلیقہ اور ہنر سے استعمال کیا ہے۔ موضوع کے اعتبار سے یہ مکمل ناول ہے۔ مصنف نے آج کی تہذیب پر گہر اطنز کیا ہے۔ آج کے بچے تہذیب سے بے نیاز ہیں ذوقی نے اپنے مزاج کے مطابق ناول میں حقیقت کو بیان کیا ہے۔ اس ناول میں درد بھی ہے اور درد کا احساس بھی۔ انسانی وجود اس دن سے عمل میں آیا ہے جب کہ اس کو بولنا بھی نہیں آتا تھا، اس وقت بھی دو چیزیں اس کے ساتھ تھیں۔ ایک بھوک اور دوسرا ایک دوسرے کو جاننے کا تجسس اور اپنے جذبات کی ترسیل کی خواہش۔ خواہ زمانے نے کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر لی ہو، کتنے ہی انسانی مدارج کیوں نہ بن گئے ہوں، مگر ترسیل جذبات کی خواہش نہیں بدلی۔ اس لیے احساس انسان کے ماحول میں گھٹن محسوس کرتا ہے۔ مصنف نے یہی بات ناول کے ہیرو کے حوالے سے کہی ہے۔ ناول کا مرکزی کردار سنیل کمار رائے جو کہ ایک جج ہے۔ وہ اپنے پیشے کا لبادہ اوڑھ کر جینا نہیں چاہتا۔ گھر کے ہر فرد نے یہ بھلا دیا ہے کہ وہ بھی ہماری طرح ہی ایک انسان ہے۔ وہ بھی ایک عام انسان کی طرح سوچتا ہے۔ اس ناول میں مصنف نے ایک تہذیب کا زوال اور دوسری تہذیب کا عروج بہت خوبصورت انداز میں پرویا ہے۔ اسنیہہ اس ناول کی ایک اہم کردار ہے۔ اسنیہہ ماضی کا دامن چھوڑتی گئی اور نئی روایتوں کو اپناتی گئی، مگر سنیل کمار رائے نے کبھی بھی اپنے ماضی سے نظریں نہیں چرائیں۔ مشرف عالم ذوقی نے زندگی کے ہر پہلو کو دیکھتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں کہ غم سارے رشتوں میں گردش کرتا ہے۔ دنیا کی ساری خوشی اور سارے غم سب اسی رشتہ کی وجہ سے ہیں، مگر جب یہ رشتہ اپنے معنی بدلتا ہے ان لمحات کو مصنف نے گہری سوجھ بوجھ کے ساتھ پیش کیا ہے۔

مصنف کی یہ تخلیق ہمارے آج کے معاشرے کے لیے بھی ایک چیلنج کا درجہ رکھتی ہے۔ اس میں زندگی کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ کبھی کبھی بچوں کے بے بنیاد سوالوں کے جواب اور بے مقصد باتوں میں بھی دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔ ناول میں غضب کا سسپنس ہے۔ سنیل کمار اخلاقیات کے گڑھے میں پھنسے ہوئے ہیں جب کہ نکھل نے وقت کے درمیان کوئی حد فاصل نہیں کھینچی ہے۔ اس لیے وہ ہر لمحے کو جیتا ہے اور نئے زمانے کی تہذیب کو پوری طرح اپنا چکا ہے، مگر سنیل کمار رائے کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنی روایتوں کا، تہذیبوں کا خون ہوتے ہوئے دیکھے۔ آج کی مشکل ترین زندگی اور بے باک تہذیب کا منظر اس ناول میں بے لاگ پیش کیا گیا ہے۔ کہانی پہلے صفحہ سے ہی آپ کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔ 12 سال کا ایک بچہ جس نے اپنی ہم عمر لڑکی کا بلاتکار کیا ہے۔ فرد سے سماج، معاشرہ، سماجیات اور پھر ننگی سیاست کی گتھیاں ایک کے بعد ایک کھلتی چلی جاتی ہیں۔ دراصل یہ ہماری بدلی ہوئی ایشیائی تہذیب کا دردناک منظر ہے، جہاں مغربی طرز پر چلتے ہوئے ہم اپنی تہذیبی وراثت کو فراموش کر چکے ہیں دیکھنے والی بات یہ ہے کہ اس تمام جنگ کے پس منظر میں ایک چھوٹا سا بچہ ہے دراصل کہانی کا اختتام ناول کا سب سے خوبصورت حصہ ہے۔ ناول کا اس سے خوبصورت اور چونکانے والا اختتام ممکن ہی نہیں تھا اور دلچسپ بات یہ کہ سارا Trial، سارا مقدمہ ایک خواب میں چلتا ہے اور یہ 'ٹرائل' اس وقت کے انتظامیہ کی بے بسی کا مذاق اڑانے کے لیے کافی ہے۔ ایک طرف بھیانک Reality ہے، تو دوسری طرف Fantasy ۔ بچہ ایک، بھیانک Reality سے گزر چکا ہے۔ دوسری طرف وہ پو کے مان سے کھیلتا ہے۔ یہ الجھاؤ ذہن کو کئی سوال دیتا ہے۔ ان سوال وجواب کی کشمکش کا انجام بھیانک ہے۔ بکھرتے ہوئے رشتے، ٹوٹتے ہوئے انسان اپنی ہی لاشوں کو کندھوں پر ڈھوتے نظر آتے ہیں۔ ناول کی مجموعی فضا، مطالعہ کے دوران ہمیں ایک ایسی دنیا میں لے جاتی ہے، جو ہمارے رہنے جینے کے باوجود ہماری دیکھی ہوئی نہیں تھی۔

اردو فکشن میں مشرف عالم ذوقی اپنی ایک شناخت رکھتے ہیں۔ وہ اپنی تخلیقات کو عام زندگی کی حقیقتوں، نفسیاتی کیفیتوں اور پرانی قدروں سے نئی قدروں کے تصادم کے موقعوں سے سجاتے ہیں۔ ان کے نئے ناول ذبح میں بھی ان کی تحریروں کی یہ خوبیاں اور خصوصیات موجود ہیں۔ ذوقی نے اس چھوٹے سے ناول کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے، یہ ہیں دوپہر، شام، کچھ اپنی کچھ فلک کی (تاریخ)، صبح اور گردش ماہ و سال۔ 'دوپہر' میں مسلمانوں کی حالت زار کا خاکہ پیش کیا ہے۔ جن کرداروں کا تعارف کرایا گیا ہے۔ وہ حقیقی زندگی میں بالخصوص قصبات اور ہندو مسلم بستیوں کی زندگی میں چلتے پھرتے دیکھے جاسکتے ہیں۔ ان کرداروں میں جو گفتگو ہوتی ہے اس سے عام مسلمانوں کی فکری اور معاشرتی پسماندگی پر روشنی پڑتی ہے۔ 'شام' میں مسلم سماج کی کشمکش اپنی پوری ہیبت کے ساتھ سامنے آتی ہے۔ 'کچھ اپنی کچھ فلک کی' میں قائم زمین داروں

سے پہلے اور بعد کے حالات کا بیان کیا گیا ہے۔ 'صبح' میں مسلم سماج کی حسرتوں کی عکاسی کی گئی ہے اور 'گردش ماہ و سال' میں عزم اور ارادے کے استحکام کی جھلک صاف نظر آتی ہے، مگر یہ عزم منفی ہے، اگر کچھ مثبت ہے تو صرف وہ کشمکش ہے جو معاشرے میں پائی جاتی ہے۔ یہی وہ کشمکش ہے جو غلامی، استحصال اور افلاس کی کوکھ سے جنمی ہے اور ''ہم تیار نہیں ہیں اس طرح بار بار ذبح ہونے کے لیے۔'' کا اعلان کرواتی ہے۔

آج کی ادبی روایت میں شمس الرحمٰن فاروقی کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ آپ ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں۔ اردو ادب میں آپ بحیثیت ایک نقاد، محقق، افسانہ و ناول نگار کے اپنی اہمیت منوانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ کئی چاند تھے سرِ آسماں فاروقی صاحب کا ایک اہم اور مقبول تخلیقی کارنامہ ہے جو اپنی اشاعت سے آج تک ادبی حلقوں میں بحث و مباحثہ کا حصہ بنی ہوئی ہے۔ اس ناول میں اٹھارویں صدی سے انیسویں صدی کے ہندوستان کی تہذیب، معاشرت، زبان، زندگی کی چہل پہل، مستقل اور توانا اقدار، وغیرہ کو نہایت تفصیل اور بھرپور جزئیات کے ساتھ سامنے لایا گیا ہے۔ مشترکہ تہذیبی روایت کے ساتھ ساتھ زمانے اور سماں کی بدلتی کروٹ کو تاریخی پس منظر میں نہایت ہنرمندی سے پیش کیا گیا ہے۔ اس ناول سے متعلق چودھری لیاقت علی لکھتے ہیں کہ:

> آخر کیا وجہ ہے کہ سوا سو برس گزر جانے کے بعد بھی 'آبِ حیات' کی شہرت، مقبولیت اور ادبی اہمیت میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں آئی ہے۔ محمد حسین آزاد نے اس کتاب میں ہمارے ادبی و تہذیبی ماضی کی جو تصویر کشی کی ہے وہ اس قدر زندہ اور متحرک ہے کہ ہم جب بھی اس پر نگاہ ڈالتے ہیں تو خود کو ایک نئی دنیا میں پاتے ہیں۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو ''کئی چاند تھے سرِ آسماں'' کو ایک معنی میں '' جدید آبِ حیات'' بھی کہا جا سکتا ہے۔''